Scholar Insight Journal
https://scholarinsightjournal.com/
Volume.4, Issue.1 (Jan-Mar-2026)
Acceptance Date: 12-01-2026

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 19-01-2026

اردو املا کے جمالیاتی پہلو: رشید حسن خاں اور ڈاکٹر ابو محمد سحر کا فکری اختلاف

Aesthetic aspects of Urdu spelling: Intellectual disagreement between Rashid Hassan Khan and Dr. Abu Muhammad Sahar

محمد اویس

Muhammad Awais
M.Phil Scholar,Superior University, Faisalabad, Pakistan
awais.bas@gmail.com

ڈاکٹر عظیم اللہ جندران

Dr. Azeemullah Jundran
Assistant Professor, Department of Urdu,
Superior University, Faisalabad.Pakistan

Abstract

This research article provides a comparative and analytical study of the intellectual divergence between two titans of Urdu linguistics, Rashid Hassan Khan and Dr. Abu Muhammad Sahar, regarding the standardization of Urdu orthography (Imla). The debate centers on two conflicting linguistic philosophies: Khan's insistence on "linguistic logic" and "etymological rigor" versus Siddiqui's defense of "established usage" (Riwaaj) and "historical continuity." Rashid Hassan Khan sought to reconstruct Urdu orthography on scientific and phonetic foundations, aiming to eliminate centuries of scribal errors and inconsistencies. Conversely, Dr. Abu Muhammad Sahar argued that language is a socio-cultural product governed by collective visual memory, asserting that radical changes dictated by pure logic could lead to linguistic chaos and alienation from classical literary traditions. The article examines specific orthographic points of contention, including the Alif versus Haye-Mukhtafi (h) debate, the technical complexities of Hamza in Izafat (genitive constructions), the rules for joining or separating compound words, and the treatment of loanwords (Dakhil Alfaz). Through an empirical analysis of their seminal works, the study reveals that while Rashid Khan's approach provides a structured system for future standardization, Abu Muhammad Sahar's moderate stance protects the unique phonetic and aesthetic temperament of Urdu. The findings suggest that successful linguistic reform must balance logical correctness with public acceptance. The article concludes that the future of Urdu orthography lies in a path of moderation, ensuring the language remains compatible with modern digital technology while preserving its rich scholarly heritage.

Key words: Urdu Orthography, Rashid Hassan Khan, Dr. Abu Muhammad, Urdu Linguistics, Hamza and Izafat, Phonetic Logic, Linguistic.

CC BY

تعارف:

اردو زبان کے ارتقائی سفر میں املا کی معیار بندی محض حرف و صوت کی ترتیب کا مسئلہ نہیں رہی، بلکہ یہ ایک گہرا تہذیبی اور لسانی المیہ رہا ہے جس نے مختلف ادوار میں اہلِ علم کو متصادم آرا میں تقسیم کر دیا۔ لسانیات کی تاریخ میں کسی بھی زبان کا تحریری ڈھانچہ اس وقت تک استحکام حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس میں روایت کی پاسداری اور عصری تقاضوں کے درمیان ایک منطقی توازن موجود نہ ہو۔ اردو کے معاملے میں، دخیل الفاظ کی کثرت اور رسمِ خط کی اتصالی نوعیت نے املائی پیچیدگیوں کو مزید الجھا دیا، جس کے نتیجے میں بیسویں صدی کے اواخر میں دو بڑے علمی مکاتبِ فکر سامنے آئے۔ ایک مکتبِ فکر کی قیادت رشید حسن خان نے کی، جنھوں نے "صحتِ الفاظ" کو کڑی منطقی بنیادوں پر استوار کرنے کی مہم چلائی، جبکہ دوسرا رخ ڈاکٹر ابو محمد سحر کا تھا، جو زبان کے مروجہ چلن اور اس کی تاریخی تسلسل کے دفاع میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہوئے۔

یہ علمی اختلاف دراصل لسانی انتہا پسندی اور معتدل روایت پسندی کے درمیان ایک ایسی کشمکش کی عکاسی کرتا ہے جس نے اردو املا کی معیار بندی کو نیا علمی وقار عطا کیا۔ جہاں رشید حسن خان کی تحقیقی کاوشوں کا محور یہ تھا کہ املا کو لغوی جڑوں اور صوتی حقائق کے قریب لا کر ایک ناقابلِ تغیر ضابطہ تشکیل دیا جائے، وہاں ابو محمد سحر نے اس حقیقت پر اصرار کیا کہ زبان کا رشتہ اپنی عوامی جبلت اور بصری حافظے سے ٹوٹنا نہیں چاہیے۔ ان کے نزدیک املا کی وہ شکل جو صدیوں کے استعمال سے معتبر ہو چکی ہے، اسے محض کسی قاعدے کی خاطر تبدیل کرنا لسانی خود مختاری پر ضرب لگانے کے مترادف ہے۔ زیرِ نظر مطالعے میں ان دونوں قد آور محققین کے املائی تصورات، ان کے مابین پائے جانے والے بنیادی تضادات اور ان اصلاحی تجاویز کا معروضی تجزیہ پیش کیا گیا ہے جنھوں نے اردو کے تحریری نظام کو معاصر مشینی و طباعتی تقاضوں کے ہم آہنگ کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

اردو زبان اپنی تمدنی ساخت اور لغوی تنوع کے اعتبار سے ایک ایسی ہمہ گیر زبان رہی ہے جس کے املا کی معیار بندی کا مسئلہ ہمیشہ علمی مباحث کا مرکز رہا۔ آغازِ کار میں جب اردو فارسی اور عربی کے لسانی اثرات تلے پروان چڑھ رہی تھی، تو اس کے تحریری نظام میں زیادہ تر ان ہی زبانوں کے املائی قواعد کی پیروی کی جاتی تھی۔ تاہم، انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جب اردو نے اپنی مستقل لسانی شناخت مستحکم کر لی، تو اہلِ علم نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا کہ زبان کے روزمرہ اور تلفظ کے مطابق املا کو بھی ایک ضابطے میں لایا جائے۔ اس ضمن میں اولین شعوری کوششیں ان لغات اور تذکروں میں نظر آتی ہیں جہاں الفاظ کی صحتِ املا پر گفتگو کا آغاز ہوا۔

اس تاریخی سفر میں امیر مینائی کا نام سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنی لغت "امیر اللغات" کی تیاری کے دوران املا کی مروجہ بے راہ روی کو دور کرنے کی سنجیدہ کوشش کی۔ اس دور میں املا کی حالت یہ تھی کہ ایک ہی لفظ کو کئی طریقوں سے لکھا جاتا تھا، بالخصوص ہائے مخلوط اور ہائے ملفوظ کے درمیان کوئی واضح امتیاز موجود نہ تھا۔ امیر مینائی نے املا میں یکسانیت لانے کے لیے جو محنت کی، اس کا اندازہ ان کے ان خطوط سے ہوتا ہے جن میں وہ اپنے معاصرین سے مسودات کی تصحیح پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔

امیر مینائی کے بعد املا کی اصلاح کی تحریک نے مئی 1905ء میں ایک نیا موڑ لیا جب فصیح الملک داغ دہلوی کی سرپرستی میں مولانا احسن مارہروی نے املا کی معیار بندی کے لیے باقاعدہ تجاویز پیش کیں۔ یہ پہلا موقع تھا جب اردو املا کو خالصتاً لسانی اور صوتی بنیادوں پر پرکھنے کی کوشش کی گئی۔ ان تجاویز میں ہندی الفاظ کے آخر میں ہائے مختفی کی جگہ الف لکھنے اور مرکب الفاظ کو جدا جدا تحریر کرنے جیسے انقلابی اقدامات شامل تھے۔ ان کا مقصد اردو املا کو پیچیدگیوں سے نکال کر سہولت اور عوامی چلن سے ہم آہنگ کرنا تھا۔ اس تحریک کے بنیادی نکات اور اہمیت کو ڈاکٹر ابو محمد سحر نے اپنی تحقیق میں اس طرح واضح کیا ہے:

> "داغ دہلوی کے ذریعے منظرِ عام پر آئی، جس میں مولانا احسن مارہروی نے بہت سی تجویزیں پیش کیں۔ ان کا خلاصہ درج ذیل میں ملاحظہ ہو: ۱۔ 'دیکھیے'، 'دیجیے'، 'لیے' وغیرہ میں 'یے' سے پہلے ہمزہ نہ لکھا جائے۔ ۲۔ ہندی الفاظ کے آخر میں ہائے مختفی کے بجائے الف ہو۔ جیسے: پتا، بھروسا، دھوکا، مہینا، ٹھیکا۔"(1)

بیسویں صدی کے ربعِ اول میں شائع ہونے والی لغات، بالخصوص "نور اللغات"، نے ان مصلحین کی کوششوں کو ثمر بار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان لغات کے ذریعے املا کے انتشار کو کم کرنے اور ایک سندی معیار قائم کرنے کی بنیاد پڑی۔ یہ وہ دور تھا جب اردو ٹائپ اور مشینی طباعت کی ضرورتوں نے بھی املا کی اصلاح کے مطالبے کو تیز کر دیا تھا۔ ان اولین کوششوں نے یہ ثابت کر دیا کہ اردو املا کوئی جامد شے نہیں بلکہ یہ ارتقائی مراحل سے گزر کر ایک ایسے مقام کی طرف گامزن ہے جہاں اسے علمی قطعیت اور صوتی ہم آہنگی میسر آ سکے۔ یہی وہ تاریخی پس منظر ہے جس نے آگے چل کر رشید حسن خان اور ڈاکٹر ابو محمد سحر جیسے محققین کے مابین املا کے جدید مباحث کے لیے علمی فضا ہموار کی۔

اردو املا کی تاریخ میں رشید حسن خان اور ڈاکٹر ابو محمد سحر کے مابین پایا جانے والا علمی اختلاف محض حروف کی نشاندہی تک محدود نہیں، بلکہ یہ دو مختلف لسانی فلسفوں کا ٹکراؤ ہے۔ رشید حسن خان کے نزدیک املا کی بنیاد "لسانی منطق" اور "صحتِ

الفاظ" پر ہونی چاہیے۔ وہ اس بات کے علمبر دار ہیں کہ اردو کو اپنے قواعد اور صوتی نظام میں اس قدر مربوط ہونا چاہیے کہ ہر لفظ اپنی اصل یا صوتی ضرورت کے مطابق لکھا جائے۔ ان کی تحقیق کا مرکز یہ رہا کہ صدیوں سے رائج ان غلطیوں کو دور کیا جائے جو کاتبوں کی غفلت یا عوامی لاپروائی کی وجہ سے املا کا حصہ بن گئی ہیں۔ اس کے برعکس ڈاکٹر ابو محمد سحر "رواج" اور "چلن" کو زبان کی اصل روح قرار دیتے ہیں۔ ان کا استدلال ہے کہ زبان کسی تجربہ گاہ میں وضع نہیں ہوتی بلکہ سماج کے بطن سے جنم لیتی ہے، اس لیے جو املا ایک طویل مدت سے رائج اور مقبولِ عام ہو چکا ہے، اسے منطق کی بنیاد پر بدلنا لسانی انتشار کا باعث بن سکتا ہے۔

ابو محمد سحر نے رشید حسن خان کی اصلاحی کوششوں کو ایک "علمی خطرہ" قرار دیا، کیونکہ ان کے نزدیک املا میں اچانک اور انقلابی تبدیلی قارئین کے بصری حافظے کو مجروح کرتی ہے۔ ابو محمد سحر کا موقف ہے کہ جب ایک لفظ اپنی مخصوص شکل میں معاشرے میں قبولیت حاصل کر لیتا ہے، تو وہ اپنی اصل زبان کے قواعد سے آزاد ہو کر اردو کا اثاثہ بن جاتا ہے۔ اس نظریاتی اختلاف کی نوعیت کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر ابو محمد سحر اپنی تصنیف میں رقم طراز ہیں:

> "املا کی اصلاح جیسے اختلافی موضوع پر قلم اٹھانا ایک علمی خطرہ مول لینے سے کم نہیں۔ میں نے کئی ایسے اصولوں اور اصلاحوں کی حقیقت واضح کر دی ہے جن پر تحقیق اور منطق کا نظرِ فریب رنگ چڑھا ہوا ہے اور کچھ قابلِ غور تجویزیں بھی پیش کی ہیں۔"(2)

اس بحث کا ایک اہم پہلو دخیل الفاظ کی صورت گری ہے۔ رشید حسن خان عربی اور فارسی الفاظ کے معاملے میں اکثر ان کی اصل کی طرف رجوع کرنے یا صوتی اعتبار سے انہیں مزید "درست" کرنے پر اصرار کرتے ہیں، جیسا کہ ان کا 'ہندوستان' کو 'ہندستان' یا 'ذرا' کو 'زرا' لکھنے کا مشورہ۔ ابو محمد سحر ان ترامیم کو "بلاوجہ کی اصلاح" سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اردو نے دوسری زبانوں سے جو کچھ لیا ہے، اسے اپنے مزاج میں ڈھال لیا ہے۔ وہ میر تقی میر سے لے کر جوش ملیح آبادی تک کے شعری و نثری ذخیرے کو بطور سند پیش کرتے ہیں کہ جب اساتذہ نے ایک املا کو قبول کر لیا تو جدید محقق کو اسے بدلنے کا حق نہیں پہنچتا۔ رشید حسن خان کی منطقی گرفت پر تنقید کرتے ہوئے ابو محمد سحر صاحب نے لغت اور استعمالِ عام کے رشتے کو یوں بیان کیا ہے:

> "جناب رشید حسن خان نے بے شمار الفاظ کے بارے میں پرانی بحثوں کو از سرِ نو اٹھایا ہے۔ اس عرصے میں اردو نے بہت کچھ رد و بدل قبول کیا ہے اور بہت سے الفاظ و تراکیب کی صحت کے سلسلے میں اختلافات کی دھند چھٹ چکی ہے۔"(3)

یعنی یہ اختلاف دراصل "قدامت پسندی" اور "اصلاح پسندی" کی ایک ایسی کشمکش ہے جس نے اردو املا کے مباحث کو علمی توانائی بخشی ہے۔ جہاں رشید حسن خان کی کڑی منطق نے املا کو ایک منظم نظام بنانے کی راہ دکھائی، وہیں ابو محمد سحر کے دفاعِ رواج نے زبان کو اس کی تاریخی جڑوں اور عوامی جبلت سے مربوط رکھا۔ ان دونوں ماہرین کی آرا کے مابین یہ توازن ہی اردو املا کی بقا اور اس کی مستحکم معیار بندی کے لیے ناگزیر ہے۔ چنانچہ ان مباحث کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ املا کی کوئی بھی مہم اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک وہ منطقی صحت اور عوامی قبولیت کے مابین ایک معتدل راستہ تلاش نہ کر لے۔

اردو املا کی تاریخ میں حروف کی تبدیلی اور صوتی ہم آہنگی کا مسئلہ ہمیشہ سے ایک نازک علمی بحث رہا ہے، جس میں الفاظ کے آخر میں "الف" اور "ہائے مختفی" (ہ) کے استعمال نے ایک مستقل نزاع کی صورت اختیار کر رکھی ہے۔ اس قضیے کی بنیاد انیسویں صدی کے آخر میں اس وقت پڑی جب مصلحینِ زبان نے محسوس کیا کہ بہت سے ہندی الاصل الفاظ جن کا تلفظ الف پر ختم ہوتا ہے، فارسی اثرات کے تحت ہائے مختفی سے لکھے جا رہے ہیں۔ اس رجحان کو صوتی اعتبار سے غیر منطقی قرار دیتے ہوئے یہ تجویز پیش کی گئی کہ املا کو آواز کے مطابق ڈھالا جائے تاکہ نو آموزوں اور غیر زبان والوں کے لیے اردو سیکھنا آسان ہو سکے۔ مولانا احسن مارہروی نے اس سلسلے میں جو انقلابی تجاویز وضع کیں، وہ دراصل اردو املا کو اس کی روایتی جکڑبندیوں سے نکال کر ایک نئی صوتی اساس فراہم کرنے کی پہلی منظم کوشش تھی۔

اس نظریے کے مطابق، وہ تمام الفاظ جو خالصتاً دیسی ہیں یا دوسری زبانوں سے مستعار لیے گئے ہیں، ان کے آخر میں الف کا استعمال ہی موزوں ہے کیونکہ اردو میں ہائے مختفی کی آواز عموماً خاموش ہوتی ہے اور یہ محض ایک علامت کے طور پر آتی ہے۔ رشید حسن خان نے اسی فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے صوتی قطعیت پر زور دیا اور مروجہ املا میں وسیع پیمانے پر تبدیلی کی حمایت کی۔ ان کے نزدیک 'پیسہ' کو 'پیسا' اور 'دھوکہ' کو 'دھوکا' لکھنا محض ایک املائی تبدیلی نہیں بلکہ لسانی دیانتداری کا تقاضا ہے۔ اس صوتی اصلاح کی ابتدائی صورتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ڈاکٹر ابو محمد سحر اپنی تحقیق میں لکھتے ہیں:

> "اصلاح کی کوشش مئی 1905ء میں فصیح الملک داغ دہلوی کے ذریعے منظرِ عام پر آئی۔ جس میں مولانا احسن مارہروی نے بہت سی تجویزیں پیش کیں۔ ان کا خلاصہ درج ذیل میں ملاحظہ ہو:۔۔۔ہندی الفاظ کے آخر میں ہائے مختفی کے بجائے الف ہو۔ جیسے: پتا، بھروسا، دھوکا، مہینا، ٹھیکا۔"(4)

دوسری طرف ڈاکٹر ابو محمد سحر اس قضیے کو "روایتی تحفظ" اور "لسانی انفرادیت" کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ اردو میں ہائے مختفی کا استعمال محض اتفاقی نہیں بلکہ یہ ایک مخصوص صوتی آہنگ کی نمائندگی کرتا ہے جو الف کی پوری آواز سے قدرے مختلف ہے۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کسی لفظ کو معاشرے نے ایک طویل عرصے سے ہائے مختفی کے ساتھ قبول کر لیا ہے تو اسے تبدیل کرنا بصری ابہام پیدا کرے گا۔ ان کے نزدیک ہندی کے بعض الفاظ میں الف کی ایک خفیف آواز نکلتی ہے جس کا اظہار رسمِ خط میں الف کے ذریعے ممکن نہیں، بلکہ ہائے مختفی ہی اس کی بہترین علامت ثابت ہوتی ہے۔ محمد ماروف نے الف اور ہائے مختفی کے اس نازک فرق کو اپنے مقالہ میں یوں بیان کیا ہے:

> "ہندی کے بعض الفاظ میں الف کی قدرے خفیف آواز نکلتی ہے لیکن رسمِ خط میں اس کے اظہار کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے الف کی پوری آواز اور اس آواز کے املا میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ اردو رسمِ خط میں ہائے مختفی اسی آواز کی علامت ہے۔"(5)

ابو محمد سحر کا یہ استدلال دراصل اردو کے اس تہذیبی مزاج کا دفاع ہے جو اسے فارسی اور عربی کی علمی روایت سے جوڑتا ہے۔ ان کے نزدیک املا کی اصلاح کے نام پر رائج شدہ الفاظ کی شکلیں بگاڑنا زبان کے فطری ارتقا میں مصنوعی مداخلت کے مترادف ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ املا کی صحت کا دارومدار صرف لغت پر نہیں بلکہ اس "چلن" پر ہے جسے اساتذہ اور اہلِ زبان نے سند عطا کی ہے۔ اس طرح الف اور ہائے مختفی کا یہ قضیہ دراصل لسانی منطق اور تہذیبی تسلسل کے مابین ایک ایسی کشمکش ہے جو اردو املا کی معیار بندی کے عمل کو ہمہ وقت متحرک رکھتی ہے۔ پس ثابت ہوتا ہے کہ املا کا کوئی بھی حتمی فیصلہ صوتی ضرورتوں اور روایتی اقدار کے مابین ایک متوازن مفاہمت کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔

اردو املا کی تفہیم میں اضافت کا مسئلہ محض ایک قواعدی ربط نہیں بلکہ یہ ایک ایسا صوتیاتی پل ہے جو دو کلمات کو معنوی وحدت میں پروتا ہے۔ اضافت کی صورت میں ہمزہ کا استعمال اور اس کی فنی باریکیاں رشید حسن خان اور ڈاکٹر ابو محمد سحر کے مابین ایک وسیع علمی خلیج کو ظاہر کرتی ہیں۔ رشید حسن خان، جو کہ املا میں سادگی اور غیر ضروری علامتوں کے اخراج کے علمبردار ہیں، اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اردو اضافت کا بنیادی اصول نہایت سادہ ہے اور اس میں بلاوجہ ہمزہ کا بوجھ نہیں لادنا چاہیے۔ ان کے نزدیک اکثر مقامات پر لفظ کے آخری حرف کے نیچے 'زیر' لگا دینا ہی ابلاغ کے لیے کافی ہے، اور وہ ان تمام صورتوں کو رد کرتے ہیں جہاں رواج کے نام پر ہمزہ کی پیوندکاری کی جاتی ہے۔ رشید حسن خان کے اس سخت گیر قواعدی رویے کی وضاحت درج ذیل اقتباس سے ہوتی ہے:

"اردو میں اضافت کا قاعدہ بہت سادہ اور صاف ہے وہ یہ کہ لفظ کے آخری حرف پر زیر لگا دیا جاتا ہے۔ مثلاً 'منزل' اور 'مقصود' دو لفظ ہیں اضافت کی صورت میں 'منزلِ مقصود' لکھا جائے گا نہ کہ 'منزلِ مقصود'۔"(6)

اس کے بر عکس، ڈاکٹر ابو محمد سحر اضافت اور ہمزہ کے معاملے میں اس لچک اور تنوع کے قائل ہیں جو اردو کی شعری اور نثری روایت کا حصہ رہی ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اضافت کی مختلف صورتیں لفظ کے آخری حرف کی نوعیت (ہائے مختفی، یائے معروف یا یائے مجہول) کے مطابق بدلتی رہتی ہیں، اور ہمزہ کو حذف کر دینے سے صوتی آہنگ اور قرات میں التباس پیدا ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ ابو محمد سحر نے رشید حسن خان کی اس منطق کو ہدفِ تنقید بنایا کہ انہوں نے مروجہ لسانی حقائق کو نظر انداز کر کے محض ایک سطحی قاعدہ وضع کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ خاص طور پر 'ابتدائے عشق' جیسے مرکبات میں ہمزہ کے استعمال کو ناگزیر سمجھتے ہیں کیونکہ یہ اردو کے مروجہ صوتی نظام کی ضرورت ہے۔ ابو محمد سحر کے اس اختلافی نکتے کو مقالہ نگار نے یوں رقم کیا ہے:

" (رشید حسن خان کے ذریعے) پوری حقیقت کو سامنے لانے سے دیدہ و دانستہ گریز کیا گیا ہے ورنہ اتنا ہر شخص جانتا ہے کہ رواج یہ رہا ہے اور اب بھی ہے کہ اضافت کے لیے 'یے' کا اضافہ کر کے اس پر ہمزہ لایا جاتا ہے مثلاً ابتدائے عشق۔"(7)

ان علمی اختلافات کی تہوں میں دراصل اردو کے مزاج کو پرکھنے کے دو الگ زاویے موجود ہیں۔ جہاں رشید حسن خان املا کو ایک ریاضیاتی ضابطے کے تحت لانا چاہتے ہیں، وہاں ابو محمد سحر اسے ایک تمدنی ورثے کے طور پر دیکھتے ہیں جس میں استثنائی صورتیں بھی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ابو محمد سحر نے اضافت کے سات مختلف مروجہ طریقوں کی نشاندہی کر کے یہ ثابت کیا کہ کلاسیکی اساتذہ کے ہاں ہمزہ اور زیر کا استعمال محض اتفاقی نہیں بلکہ معنوی اور صوتی ضرورتوں کے تحت تھا۔ چنانچہ یہ بحث واضح کرتی ہے کہ اضافت کا درست املا صرف قواعد کی کتابوں سے مرتب نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے زبان کے زندہ چلن اور ادبی تسلسل کو بنیاد بنانا ضروری ہے۔ ان ماہرین کی آرا کا یہ ٹکراؤ اردو املا کی معیار بندی کے عمل میں بصیرت کے نئے در وا کرتا ہے، جس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ زبان کی خوبصورتی اس کی جکڑ بندی میں نہیں بلکہ اس کے توازن اور رواج کی پاسداری میں پنہاں ہے۔

اردو زبان کے تحریری ڈھانچے میں لفظوں کو جوڑ کر لکھنے یا انہیں علیحدہ رکھنے کا مسئلہ محض بصری صورت گری کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ اس کا گہرا تعلق لسانی وحدت اور معنوی ابلاغ سے ہے۔ اردو کا رسمِ خط چونکہ اتصالی (Cursive) ہے، اس لیے یہاں یہ سوال ہمیشہ اہم رہا ہے کہ کن کلمات کو ایک اکائی کے طور پر پیوست کر کے لکھا جائے اور کن کے اجزا کو الگ رکھا جائے۔ اس بحث میں ڈاکٹر ابو محمد سحر ایک معتدل اور توازن پسند محقق کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ املا کی اصلاح کے نام پر الفاظ کو اس حد تک ٹکڑوں میں تقسیم کر دینا کہ ان کی لسانی پہچان ہی ختم ہو جائے، ایک انتہا پسندانہ رویہ ہے۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ جو الفاظ معنوی اعتبار سے ایک کلمے کا حکم اختیار کر چکے ہیں، انہیں اپنی پیوستہ شکل میں ہی برقرار رہنا چاہیے تاکہ قاری کا بصری حافظہ متاثر نہ ہو۔

ابو محمد سحر نے اس مسئلے کو منطق اور جمالیات کے امتزاج سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ جہاں دو مفرد کلمات کو الگ لکھنے کی حمایت کرتے ہیں، وہیں ان مرکبات کو ملا کر لکھنے پر زور دیتے ہیں جو زبان کے تاریخی ارتقا کے نتیجے میں اپنی انفرادی حیثیت کھو کر ایک نئی معنوی اکائی بن چکے ہیں۔ ان کے نزدیک 'چنانچہ'، 'حالانکہ' اور 'بلکہ' جیسے الفاظ کو توڑ کر لکھنا لسانی رواج کے خلاف ہے۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر کے اس اصول کی وضاحت مقالہ نگار محمد ماروف نے ان الفاظ میں کی ہے:

> "وہ اس بات کے قائل ہیں کہ دو مفرد الفاظ کو الگ لکھنا بالکل صحیح ہے اور اس طریقے کو جاری رکھنا چاہیے مثلاً 'آپ کا'، 'ان کا'، 'اس لیے' وغیرہ اسی طرح سے جو مرکب مفرد الفاظ کی حیثیت رکھتے ہیں انھیں ملا کر لکھنا چاہیے مثلاً چونکہ، بلکہ، حالانکہ وغیرہ۔"(8)

الفاظ کی علیحدگی اور پیوستگی کے اس عمل میں ابو محمد سحر نے "دیدہ زیبی" اور "عدمِ التباس" کو بنیادی کسوٹی قرار دیا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ املا کی معیار بندی میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ الفاظ تحریر میں اجنبی محسوس نہ ہوں اور نہ ہی ان کی بناوٹ سے معنوی الجھن پیدا ہو۔ وہ ان مصلحین کے خلاف تھے جو ٹائپ کی سہولت کے لیے لفظ 'مصیبت' یا 'لکھتے' جیسے الفاظ کو بھی حصوں میں بانٹنے کے حق میں تھے۔ ان کے نزدیک اردو املا میں توازن کا تقاضا یہ ہے کہ نہ تو حرفوں کو بلاوجہ ایک دوسرے میں مدغم کیا جائے اور نہ ہی ان کی فطری جڑت کو مصنوعی طور پر توڑا جائے۔ اس سلسلے میں ان کی رائے درج ذیل اقتباس میں واضح کی گئی ہے:

> "ایسے دوسرے مرکبات کے لکھنے میں جو ایک کلمے کا حکم رکھتے ہوں آسانی اور دیدہ زیبی کا لحاظ رکھنا چاہیے اور اس بات کا بھی خیال رکھا جانا چاہیے کہ دوسرے الفاظ سے اشتباہ و التباس نہ پیدا ہو۔"(9)

ڈاکٹر ابو محمد سحر کی یہ فکری جہت دراصل اردو کے لسانی تحفظ کی ایک کوشش ہے، جس کا مقصد زبان کو قواعد کی انتہا پسندی سے بچا کر اس کے فطری حسن کو برقرار رکھنا ہے۔ان کے نزدیک لسانی وحدت کا تصور یہ ہے کہ تحریر پڑھنے والے کی نظر میں ایک ہموار روانی پیدا کرے، جہاں لفظ کے اجزا اپنے معنوی مرکز سے جڑے رہیں۔ وہ دخیل الفاظ، مثلاً 'سیمینار' یا 'کانفرنس' کے معاملے میں بھی اسی لچک کے قائل ہیں کہ املا کو رواج اور بصری سہولت کے تابع ہونا چاہیے۔ پس ثابت ہوتا ہے کہ الفاظ کی پیوستگی اور علیحدگی کا فیصلہ محض کسی ایک قاعدے کے تحت نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کے لیے زبان کے تمدنی مزاج اور قرات کی آسانی کو ملحوظ رکھنا ناگزیر ہے۔اس طرح ابو محمد سحر کا یہ نظریہ اردو املا کو ایک ایسی ہمہ گیریت عطا کرتا ہے جہاں علمی قطعیت اور فنی جمالیات ایک دوسرے کے معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اردو اپنی لسانی جبلت اور تہذیبی تشکیل کے اعتبار سے ایک ایسی ہمہ گیر اور مخلوط زبان ہے جس نے عربی، فارسی، ترکی، ہندی اور انگریزی کے بے شمار الفاظ کو نہ صرف قبول کیا بلکہ انہیں اپنے مخصوص صوتی اور املائی مزاج میں ڈھال لیا۔ دخیل الفاظ کے املا کے سلسلے میں ماہرینِ لسانیات کے یہاں دو واضح مکاتبِ فکر پائے جاتے ہیں۔ ایک طبقہ ان محققین کا ہے جو "اصل کی بازیافت" کے قائل ہیں اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کسی بھی دوسری زبان سے لیے گئے لفظ کو اس کی اصل لسانی روح اور قواعد کے مطابق ہی لکھا جانا چاہیے۔ اس کے برعکس، دوسرا گروہ جس کی قیادت ڈاکٹر ابو محمد سحر جیسے ماہرین کرتے ہیں، "اردو مزاج کی پیروی" کو مقدم سمجھتا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ جب کوئی لفظ کسی دوسری زبان سے ہجرت کر کے اردو کے لسانی دائرے میں داخل ہو جاتا ہے، تو وہ اپنی اصل زبان کے حقوق سے دستبردار ہو کر اردو کے تابع ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر ابو محمد سحر اس معاملے میں انشاءاللہ خان انشا کے اس نظریے کے پیروکار ہیں کہ اردو کی اپنی ایک آزادانہ اور خود مختار حیثیت ہے۔ وہ اس بات کے سخت مخالف ہیں کہ عربی یا فارسی کے الفاظ کو اردو میں ان زبانوں کے قدیم لغات کی روشنی میں پرکھا جائے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی لفظ اردو میں آ کر اپنی شکل بدل چکا ہے اور اساتذہ و اہلِ زبان نے اسے اسی بدلی ہوئی صورت میں قبول کر لیا ہے، تو وہی اس کا "درست املا" کہلانے کا حقدار ہے۔ اس لسانی خود مختاری اور دخیل الفاظ کے رویے کو واضح کرتے ہوئے رشید حسن خاں نے انشا کا مشہور قول یوں نقل کیا ہے:

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 19-01-2026

> "جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا، خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا پوربی، اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح، وہ لفظ اردو کا لفظ ہے۔ اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح اور اگر اصل کے خلاف ہے تو بھی صحیح۔اس کی صحت اور غلطی اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے۔"(10)

دخیل الفاظ کے معاملے میں ابو محمد سحر کا یہ موقف محض ایک جذباتی فیصلہ نہیں بلکہ ایک گہرا لسانی اصول ہے۔ان کے نزدیک املا کی معیار بندی میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ رویہ ہے جو لفظ کو اس کی اردو ساخت سے نکال کر دوبارہ اس کی جڑوں کی طرف دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ رشید حسن خان کی اس منطق سے اختلاف کرتے ہیں جس میں عربی الاصل الفاظ کو ان کی اصل لغوی صحت کے مطابق لکھنے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ابو محمد سحر کا ماننا ہے کہ اردو املا کو فارسی یا عربی کی جدید تحقیقاتِ لغت کے تابع کرنا اردو کی اپنی انفرادیت کو مجروح کرنے کے مترادف ہے۔انہوں نے اس حوالے سے ایک ٹھوس اصول قائم کیا ہے جسے درج ذیل اقتباس میں دیکھا جاسکتا ہے:

> "عربی و فارسی الفاظ و تراکیب اور ان کے املا کو اب عربی و فارسی کی قدیم فرہنگوں یا جدید تحقیقاتِ لغت نویسی کی روشنی میں نہ دیکھا جائے گا۔ بلکہ یہ پہلو پیشِ نظر رکھا جائے گا کہ اردو میں وہ الفاظ و تراکیب کس صورت میں آئے اور انھوں نے اپنی کیا صورت برقرار رکھی۔ فارسی یا عربی کی جدید تحقیقاتِ لغت اور ترمیماتِ املا سے اردو املا کی حد تک ہمیں کوئی غرض نہ ہوگا۔"(11)

ڈاکٹر ابو محمد سحر اردو کو ایک ایسی زندہ اور طاقتور زبان کے طور پر دیکھتے ہیں جو دوسری زبانوں سے مواد مستعار لینے کے بعد اسے اپنے صوتی سانچوں میں جذب کرنے کی مکمل اہلیت رکھتی ہے۔ان کے نزدیک 'بوالہوس' یا 'بوجہل' جیسے الفاظ کا مروج املا ہی اردو کی اصلیت ہے، چاہے وہ اپنی اصل زبانوں (عربی یا فارسی) کے قواعد سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ اگر املا کی اصلاح کے نام پر ان الفاظ کو دوبارہ ان کی قدیم اور نامانوس شکلوں میں لکھا جائے گا، تو اس سے نہ صرف زبان میں ثقالت پیدا ہو گی بلکہ عام قاری کے لیے تحریر و قرات میں بھی مشکلات پیدا ہوں گی۔ چنانچہ ابو محمد سحر کی فکری جہت یہ واضح کرتی ہے کہ اردو کے لسانی تحفظ کا راز اس کے اپنے تہذیبی مزاج اور مروجہ چلن کی پاسداری میں ہے، نہ کہ دیگر زبانوں کی اندھی تقلید میں۔اس طرح دخیل الفاظ کا املا دراصل اردو کی اپنی لسانی بقا اور اس کی جداگانہ پہچان کا مسئلہ بن کر ابھرتا ہے۔

اردو املا کی معیار بندی کی جدوجہد میں ستر کی دہائی ایک اہم موڑ ثابت ہوئی، جب ہندوستان میں ریاستی سرپرستی میں قائم "ترقی اردو بورڈ" (نئی دہلی) نے املا کے انتشار کو ختم کرنے کے لیے ایک باقاعدہ املا کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی کی سفارشات 1974ء میں "املا نامہ" کے عنوان سے منظرِ عام پر آئیں، جس کے مرتب ڈاکٹر گوپی چند نارنگ تھے۔ اس دستاویز کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اردو کے تحریری ڈھانچے کو ایک ایسا سرکاری اور علمی ضابطہ فراہم کیا جائے جسے تمام تعلیمی و اشاعتی ادارے اپنا سکیں۔ تاہم، ان سفارشات کے نفاذ کا طریقہ کار اور ان کی آمرانہ نوعیت نے علمی حلقوں میں ایک نئی بحث چھیڑ دی، جس میں ڈاکٹر ابو محمد سحر ایک توانا معترض آواز بن کر سامنے آئے۔ ان کے نزدیک کسی بھی لسانی تبدیلی کو زبردستی نافذ کرنا اردو کے فطری مزاج اور اس کی تاریخی روایت کے منافی تھا۔

نفاذ کے حوالے سے سب سے بڑا مسئلہ اس لب و لہجے کا تھا جو بورڈ کی جانب سے اختیار کیا گیا۔ "املا نامہ" کے پیش لفظ میں یہ واضح کیا گیا کہ یہ سفارشات محض مشورہ نہیں بلکہ ایک لازمی معیار ہیں جنہیں ہر سطح پر اپنایا جانا چاہیے۔ اس سرکاری حکم نامے کی نوعیت کو ڈاکٹر ابو محمد سحر نے ہدفِ تنقید بنایا، کیونکہ ان کے خیال میں ادیبوں اور شاعروں کی رائے کو نظر انداز کر کے محض ایک کمیٹی کے فیصلوں کو پوری قوم پر مسلط کرنا علمی بددیانتی ہے۔ نفاذ کے اسی اصرار کی عکاسی ڈاکٹر عبدالعلیم کے اس بیان سے ہوتی ہے:

> "ترقی اردو بورڈ تو اپنی تمام مطبوعات میں ان سفارشات پر عمل کرے گا ہی، اردو کے دوسرے اداروں، انجمنوں، ادیبوں، شاعروں، اخباروں کے ایڈیٹروں اور پبلشروں سے بھی امید کی جاتی ہے کہ وہ ان سفارشات کو اپنائیں گے اور اردو املا کو ایک معیار پر لانے میں مدد کریں گے۔"(12)

ابو محمد سحر کا بنیادی اعتراض یہ تھا کہ "املا نامہ" دراصل رشید حسن خان کی انفرادی تحقیقی کتاب "اردو املا" کا ایک خلاصہ یا خاکہ ہے، جسے ریاستی قوت کے ذریعے سند عطا کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کے نزدیک رشید حسن خان کے وضع کردہ اصول، جو کہ منطق اور صوتی صحت پر مبنی تھے، اردو کے مروجہ چلن سے اس قدر مختلف تھے کہ ان کا اچانک نفاذ لسانی انتشار کا سبب بن رہا تھا۔ ابو محمد سحر نے اس نکتے پر توجہ دلائی کہ جب خود "املا نامہ" کے مرتبین یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ تفصیل کے لیے رشید حسن خان کی کتاب کی طرف رجوع کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سفارشات ابھی خود تشفی بخش نہیں ہیں۔ اس باہمی تعلق کی وضاحت درج ذیل اقتباس میں ملتی ہے:

"ذیل کی سفارشات محض خاکہ ہیں بنیادی اصولوں کی تفصیل اور جامع فہرستوں کے لیے رشید حسن خان کی کتاب سے رجوع کرنا چاہیے۔"'(13)

ان سفارشات کے نفاذ میں حائل رکاوٹوں کا ایک اہم پہلو عوامی قبولیت کا فقدان تھا۔ڈاکٹر ابو محمد سحر کا استدلال تھا کہ املا کی اصلاح میں چلن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔جب تک اساتذہ، کاتبین اور پروف ریڈرز ان تبدیلیوں کو ذہنی طور پر قبول نہیں کریں گے، یہ سرکاری فائلیں محض لائبریریوں کی زینت بنی رہیں گی۔انہوں نے "املا نامہ" میں موجود تضادات، جیسے 'زرا' اور 'ذرا' یا الفاظ کو ٹکڑے کر کے لکھنے کے پیچیدہ قاعدوں کی نشاندہی کی، جو عام آدمی کے لیے ابہام کا باعث تھے۔ابو محمد سحر کی یہ بحث واضح کرتی ہے کہ اردو املا کی معیار بندی کے لیے ریاست کی جانب سے محض قوانین کا نفاذ کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے لسانی جمہوریت اور اساتذہ کی مروجہ روایت کا احترام کرنا بھی ضروری ہے۔ان کے نزدیک املا کی حقیقی اصلاح وہی ہے جو زبان کے ارتقائی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے سہولت اور رواج کے مابین توازن پیدا کرے۔

تحریری نظام میں تبدیلی محض لغوی بحث نہیں بلکہ ایک گہرا تہذیبی عمل ہے۔رشید حسن خان کی منطقی کڑی نگرانی اور ڈاکٹر ابو محمد سحر کی روایت پسندانہ معتدل روش کے مابین ہونے والے مباحث نے اردو املا کو ایک ایسی بلوغت عطا کی ہے جہاں اب اسے محض کاتبوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ان مباحث کا سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ املا کی معیار بندی کے لیے کوئی بھی ایسا فارمولا جو عوامی چلن اور اساتذہ کی مروجہ روایت سے متصادم ہو، دیرپا ثابت نہیں ہو سکتا۔مستقبل میں اردو املا کی بقا کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ ہم "صحتِ الفاظ" کے جوش میں زبان کے اس فطری حسن اور بصری پہچان کو مجروح نہ کریں جو صدیوں کے ارتقا کا ثمر ہے۔

ڈاکٹر ابو محمد سحر نے ان تمام اصلاحی کوششوں کا خلاصہ کرتے ہوئے یہ بنیادی اصول وضع کیا کہ قواعد کو زبان پر مسلط کرنے کے بجائے زبان کے تابع ہونا چاہیے۔ان کے نزدیک املا کی وہی شکل سب سے زیادہ مستند ہے جسے معاشرے نے مجموعی طور پر قبول کر لیا ہے، کیونکہ جبر کے ذریعے نافذ کردہ تبدیلیاں لسانی انتشار کا باعث بنتی ہیں:

"یہ ایک تسلیم شدہ اصول ہے کہ زبان سے قواعد بنتی ہے، نہ کہ قواعد سے زبان۔ لہٰذا پوری زبان کو قواعد کے شکنجوں میں کسنا ممکن نہیں۔"(14)

مذکورہ بالا تحقیق سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ اردو املا کا مستقبل کسی ایک دبستان کی اجارہ داری میں نہیں بلکہ ایک ایسی ہمہ گیر مفاہمت میں ہے جہاں قدیم اور جدید کے مابین ایک پل تعمیر کیا جا سکے۔رشید حسن خان کی کڑی محققانہ نظر نے

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 19-01-2026

جہاں املا کی کئی فاش غلطیوں کی نشاندہی کی، وہیں ابو محمد سحر نے ان انتہا پسندانہ اقدامات کے خلاف ایک مضبوط دفاعی دیوار قائم کی جو زبان کی انفرادیت کو خطرے میں ڈال سکتے تھے۔ ان دونوں ماہرین کے کام کی جامعیت اور اس کے اثرات کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> "اردو املا اور اس کی اصلاح اگرچہ مختصر ہے لیکن گزشتہ پندرہ برسوں میں اردو املا کے مسائل پر جتنی تحریریں آئی ہیں ان سب کا احاطہ کرتی ہے اور ایسی خوش اسلوبی اور جامعیت کے ساتھ اردو املا کے اصول اور مسائل سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔"(15)

حاصلِ بحث یہ ہے کہ اردو املا کے اس قضیے نے ثابت کر دیا ہے کہ اصلاح کا عمل ہمیشہ بتدریج اور متوازن ہونا چاہیے۔ وہ الفاظ جو سیال حالت میں ہیں، وہاں ترمیم کی گنجائش موجود ہے، لیکن جو الفاظ ایک مخصوص تحریری صورت میں مستحکم ہو چکے ہیں، انہیں منطق کے نام پر بدلنا علمی لحاظ سے غیر ضروری ہے۔ مستقبل کے محققین کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ابو محمد سحر کے تجویز کردہ ان خطوط پر کام کریں جہاں صوتیات اور رواج کے مابین ایک معتدل راستہ نکل سکے۔ اردو املا کی اصل قوت اس کے تنوع اور جذب کرنے کی صلاحیت میں ہے، اور یہی اعتدال پسندی ہماری تحریری روایت کو جدید مشینی تقاضوں اور قدیم علمی وقار کے ساتھ زندہ رکھنے کی ضامن ہو گی۔ یوں یہ علمی اختلاف دراصل اردو کے لسانی استحکام کی ایک ایسی دستاویز ہے جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو گی۔

اس تحقیقی مطالعے کا **ماحصل** یہ ہے کہ رشید حسن خان اور ڈاکٹر ابو محمد سحر کے مابین املا کے مباحث دراصل اردو تحریر کی روح کو سمجھنے کے دو مختلف لیکن تکمیلی زاویے پیش کرتے ہیں۔ رشید حسن خان نے املا کو "لسانی منطق" اور "لغوی صحت" کے کڑے معیارات پر پرکھا، جس کا مقصد تحریر میں موجود صدیوں پرانی بے راہ روی کو ختم کرنا تھا۔ اس کے برعکس، ڈاکٹر ابو محمد سحر نے "رواج" اور "تاریخی تسلسل" کو املا کی اصل بنیاد قرار دیا، اور اس حقیقت پر زور دیا کہ زبان اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتی جب تک وہ اپنے اساتذہ کی روایت اور عوامی بصری حافظے سے جڑی نہ رہے۔ یہ بحث ثابت کرتی ہے کہ اردو املا محض حروف کی تبدیلی کا نام نہیں بلکہ ایک وسیع تہذیبی اور صوتیاتی عمل ہے جس میں منطق اور رواج کے مابین توازن ہی معیار بندی کی اصل کنجی ہے۔

سفارشات:

۱۔ اردو املا کی معیار بندی کے لیے پاکستان اور ہندوستان کے مقتدر علمی اداروں کے مابین ایک مشترکہ "ایڈوائزری بورڈ" تشکیل دیا جائے تاکہ املا کی ایک ایسی عالمی صورت سامنے آسکے جس پر تمام اہلِ علم کا اتفاق ہو۔

۲۔ املا کی کسی بھی نئی اصلاح کو تعلیمی نصاب میں شامل کرنے سے پہلے ایک طویل عبوری مدت مقرر کی جائے، تاکہ طلبہ اور اساتذہ کا بصری حافظہ ان تبدیلیوں کو بتدریج قبول کر سکے۔

۳۔ جدید کمپیوٹر ٹیکنالوجی اور مصنوعی ذہانت کے اس دور میں اردو کے ڈیجیٹل فانٹس اور "آٹو کریکٹ" سسٹمز کو رشید حسن خان کی منطقی صحت اور ابو محمد سحر کے مروجہ رواج کے ایک متوازن امتزاج پر استوار کیا جائے۔

۴۔ جامعاتی سطح پر "تحقیقِ متن" اور "املا شناسی" کے خصوصی ڈپلومہ کورسز شروع کیے جائیں تاکہ میڈیا، پبلشنگ ہاؤسز اور سرکاری اداروں کو ایسے تربیت یافتہ ماہرین میسر آسکیں جو املا کے اسقام کو دور کر سکیں۔

۵۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر کے نظریات کو بنیاد بنا کر انگریزی اور دیگر جدید زبانوں سے آنے والے تکنیکی الفاظ کے املا کو اردو کے اپنے صوتی مزاج کے مطابق ڈھالا جائے، نہ کہ ان کی اصل زبانوں کی اندھی تقلید کی جائے۔

حوالہ جات

1. ڈاکٹر ابو محمد سحر، اردو املا اور اس کی اصلاح، مکتبہ ادب، بھوپال، اشاعت دوم، 2004ء، ص 10-11
2. ایضاً
3. ڈاکٹر ابو محمد سحر، زبان و لغت، مکتبہ ادب، بھوپال، 1983ء، ص 3
4. ڈاکٹر ابو محمد سحر، اردو املا اور اس کی اصلاح، ص 10
5. محمد ماروف، ابو محمد سحر کی علمی اور ادبی خدمات کا تحقیقی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، 2018ء، ص 220
6. رشید حسن خاں، اردو املا کیسے لکھیں، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نیئر دہلی، جولائی 2011ء، ص 13
7. ڈاکٹر ابو محمد سحر، اردو املا اور اس کی اصلاح، مکتبہ ادب، بھوپال، اشاعت دوم، 2004ء، ص 59

8. محمد ماروف، ابو محمد سحر کی علمی اورادبی خدمات کا تحقیقی مطالعہ، ص224

9. ایضاً

10. رشید حسن خاں، اردواملا کیسے لکھیں، مکتبہ جامعہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نیئ دہلی 2011ء، ص89

11. ڈاکٹر ابو محمد سحر، اردواملااوراس کی اصلاح، مکتبہ ادب، بھوپال، اشاعت دوم، 2004ء، ص44

12. ڈاکٹر عبدالعلیم، پیش لفظ، مشمولہ: املانامہ از گوپی چند نارنگ، مکتبہ جامعہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نیئ دہلی، 1974ء، ص6

13. گوپی چند نارنگ، املانامہ، مکتبہ جامعہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نیئ دہلی، 1974ء، ص6

14. محمد ماروف، ابو محمد سحر کی علمی اورادبی خدمات کا تحقیقی مطالعہ، ص227

15. ڈاکٹر فرمان فتح پوری، مشمولہ: اردواملااوراس کی اصلاح از ڈاکٹر ابو محمد سحر، ص پیش لفظ

CC BY

Volume.4, Issue.1 (Jan-Mar-2026)
Acceptance Date: 12-01-2026
HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 19-01-2026

References

1. Dr. Abu Muhammad Sahar, *Urdu Imla aur Us ki Islah*, Maktaba-e-Adab, Bhopal, 2nd ed., 2004, pp. 10–11.
2. Ibid.
3. Dr. Abu Muhammad Sahar, *Zaban o Lughat*, Maktaba-e-Adab, Bhopal, 1983, p. 3.
4. Dr. Abu Muhammad Sahar, *Urdu Imla aur Us ki Islah*, p. 10.
5. Muhammad Maroof, *Abu Muhammad Sahar ki Ilmi aur Adabi Khidmaat ka Tahqiqi Mutala'a*, PhD Thesis, Muslim University Aligarh, 2018, p. 220.
6. Rasheed Hasan Khan, *Urdu Imla Kaisay Likhein*, Maktaba-e-Jamia Limited, New Delhi, July 2011, p. 13.
7. Dr. Abu Muhammad Sahar, *Urdu Imla aur Us ki Islah*, Maktaba-e-Adab, Bhopal, 2nd ed., 2004, p. 59.
8. Muhammad Maroof, *Abu Muhammad Sahar ki Ilmi aur Adabi Khidmaat ka Tahqiqi Mutala'a*, p. 224.
9. Ibid.
10. Rasheed Hasan Khan, *Urdu Imla Kaisay Likhein*, Maktaba-e-Jamia Limited, New Delhi, July 2011, p. 89.
11. Dr. Abu Muhammad Sahar, *Urdu Imla aur Us ki Islah*, Maktaba-e-Adab, Bhopal, 2nd ed., 2004, p. 44.
12. Dr. Abdul Aleem, *Pesh Lafz*, mashmoola: *Imla Nama* by Gopi Chand Narang, Maktaba-e-Jamia Limited, New Delhi, 1974, p. 6.
13. Gopi Chand Narang, *Imla Nama*, Maktaba-e-Jamia Limited, New Delhi, 1974, p. 6.
14. Muhammad Maroof, *Abu Muhammad Sahar ki Ilmi aur Adabi Khidmaat ka Tahqiqi Mutala'a*, p. 227.
15. Dr. Farman Fathpuri, mashmoola: *Urdu Imla aur Us ki Islah* by Dr. Abu Muhammad Sahar, pesh lafz.